رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی عزت کا تحفّظ اور ہمارا فرض

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ـــــ ھُوَالنَّاصِرُ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا تحفّظ اور ہمارا فرض

(تحریر فرمودہ مؤرخہ ۲۳ جون ۱۹۲۷ء)

ابھی پانچ ہی دن ہوئے کہ سید دلاور شاہ صاحب بخاری اپنے ایک عزیز کے ساتھ اس نوٹس کے متعلق جو ہائی کورٹ کی طرف سے "مستعفی ہو جاؤ" والے مضمون کے متعلق انہیں ملا تھا میرے پاس قادیان تشریف لائے اور مجھ سے دریافت کیا کہ انہیں اس موقع پر کیا کرنا چاہئے۔ اور ضمناً ذکر کیا کہ بعض لوگ مشورہ دیتے ہیں کہ اظہار افسوس کر دینا چاہئے۔ میں نے انہیں کہا کہ ہمارا فرض ہونا چاہئے کہ صوبہ کی عدالت کا مناسب احترام کریں لیکن جبکہ ایک مضمون آپ نے دیانت داری سے لکھا ہے اور اس میں صرف ان خیالات کی ترجمانی کی ہے جو اس وقت ہر ایک مسلمان کے دل میں اُٹھ رہے ہیں تو اب آپ کا فرض سوائے اس کے کہ اس سچائی پر مضبوطی سے قائم رہیں اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا سوال ہے اور ہم اس مقدس وجود کی عزت کے معاملہ میں کسی کے معارض بیان پر بغیر آواز اُٹھانے کے نہیں رہ سکتے۔ مَیں قانون تو جانتا نہیں اس کے متعلق تو آپ قانون دان لوگوں سے مشورہ لیں مگر میری طرف سے آپ کو یہ مشورہ ہے کہ آپ اپنے جواب میں یہ لکھوا دیں کہ اگر ہائی کورٹ کے ججوں کے نزدیک کنور دلیپ سنگھ صاحب کی عزت کی حفاظت کے لئے تو قانون انگریزی میں کوئی دفعہ موجود ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی حفاظت کے لئے کوئی دفعہ موجود نہیں۔ تو میں بڑی خوشی سے جیل خانہ جانے کے لئے تیار ہوں۔

جیسا کہ سب احباب کو معلوم ہے اس مضمون کو نہایت خوبصورت الفاظ میں سید دلاور شاہ

صاحب نے اپنے جواب کے آخر میں درج کر دیا اور مؤمنانہ غیرت کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اپنا حقیقی جواب وہی دیتے جو انہوں نے اپنے بیان کے آخر میں دیا۔

قانون کا حیرت انگیز نقص

کل خبر آگئی ہے کہ اس مقدمہ کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ اور سید دلاور شاہ صاحب بخاری ایڈیٹر مسلم آؤٹ لک کو چھ ماہ قید اور ساڑھے سات سو روپیہ جرمانہ ہوا ہے اور مولوی نور الحق صاحب پروپرائیٹر کو تین ماہ قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ ہوا ہے۔ ہمیں قانون کے اس نقص پر تو حیرت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فِدَاہُ نَفْسِیْ وَ رُوْحِیْ کی عزت پر ناپاک سے ناپاک حملہ کرنے والوں پر تو مہینوں مقدمہ چلے اور آخر میں براءت ہو اور ہائی کورٹ کے متعلق ایک ایسی بات لکھنے پر جو صرف تاویلاً اس کی ہتک کہلا سکتی ہے آٹھ دن کے اندر اندر دو معزز شخص جیل خانہ میں بھیج دیئے جائیں۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

قید ہونے والوں کی بہادری

ہمارے بھائی آج جیل خانہ میں ہیں لیکن اپنے نفس کے لئے نہیں، اپنی عزت کے لئے نہیں، کسی دنیوی غرض کے لئے نہیں، اس وجہ سے نہیں کہ وہ حکومت کو کمزور کرنا چاہتے تھے نہ اس لئے کہ وہ کسی کے حق کو دبانا چاہتے تھے بلکہ صرف اس لئے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے لئے غیرت کا اظہار کیا۔ ان کی یہ بہادرانہ رَوش ہمیشہ کے لئے یادگار رہے گی کہ دونوں نے سارا بوجھ اپنے ہی سر پر اُٹھانے کی کوشش کی ہے اور دوسرے کی براءت کی کوشش کی ہے۔ اس مصیبت کی آگ میں سے یہ ایک ایسی خوشبو اُٹھی ہے کہ باوجود صدمہ زدہ ہونے کے دماغ معطر ہو رہا ہے۔ گورنمنٹ کے جیل خانے بے وفاؤں اور غداروں کے لئے تیار کئے گئے تھے لیکن آج انہیں دو وفادار شخص جنہوں نے دوجہان کے سردار سے بھی وفاداری کی اور گورنمنٹ کی بھی وفاداری کی زینت دے رہے ہیں۔

کیا مسلم آؤٹ لک نے عدالت کی توہین کی

محترم ججان نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان دونوں صاحبان نے یہ کہہ کر کہ یہ فیصلہ غیر معمولی ہے اور غیر معمولی حالات میں ہوا ہے اور اس کی تحقیق ہونی چاہئے عدالت عالیہ کی ہتک کی ہے۔ مگر میرے نزدیک عدالت عالیہ کی یہ رائے درست نہیں۔ یہ کہنا کہ جن حالات میں یہ فیصلہ ہوا ہے اس سے لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا ہو رہے ہیں اس

لئے اس کی تحقیق کرنی چاہئے اور یہ کہنا کہ جج نے کوئی بد دیانتی کی ہے اس میں بہت بڑا فرق ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ عدالت عالیہ پنجاب بیسیوں مقدمات میں اس فرق کو تسلیم کر چکی ہوگی۔ کیا اس میں کوئی شک ہے کہ ملک معظم کی وفادار رعایا کے کروڑوں افراد اس فیصلہ پر جس کا حوالہ مسلم آؤٹ لک نے دیا حیران و انگشت بدنداں ہیں اور کیا عدالت عالیہ کا یہ فرض نہیں کہ جب ملک کی ایک بڑی تعداد ایک فیصلہ پر حیران ہو اور خود گورنمنٹ بھی جو اس قانون کی وضع کرنے والی ہے اس کے عجیب اور خلاف امید ہونے کا اظہار کرے تو اس کے متعلق ایسے حالات بہم پہنچائے کہ جس سے پبلک کی تسلی ہو اور اس کی گھبراہٹ دور ہو سکے۔ اس میں کیا شک ہے۔ کہ ملک کا امن عدالت عالیہ پر اعتبار سے قائم رہ سکتا ہے۔ پس اس وجہ سے عدالت عالیہ کو معمولی شکوک کا بھی خیال رکھنا چاہئے اور انسانی فطرت کی کمزوریوں کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔

سزا نادرست ہے

عدالت عالیہ کو خواہ کسی فیصلہ کی صحت پر کس قدر ہی یقین ہو اور وہ ایک جج کی دیانت پر خواہ کس قدر ہی اعتماد رکھتی ہو اس سے پبلک کی تسلی تو نہیں ہو جاتی اور اس سے پبلک میں عدالت عالیہ کا وقار تو قائم نہیں ہو جاتا۔ پس عدالت عالیہ کو ایسے مواقع پر خود ہی پبلک کے احساسات کا خیال رکھنا چاہئے اور اس خیال سے تسلی نہیں پا لینی چاہئے کہ لوگوں کے خیالات غلط ہیں۔ خیالات خواہ کس قدر ہی غلط ہوں مگر جب وہ پیدا ہو جائیں تو بے امنی پیدا کرنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور عدالت کا فرض ہے کہ نہ صرف لوگوں کے خیالات کی درستی کی غرض سے بلکہ خود اپنی عزت کو صدمہ سے بچانے کے لئے وہ کوئی ایسی تدبیر اختیار کرے جس سے لوگوں کے شبہات کے دور ہونے کا موقع نکل آئے۔ مسلم آؤٹ لک نے صرف اس قسم کی تدبیر اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی تھی اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا تھا۔ پس فاضل ججان کا اس کے ایڈیٹر اور مالک کو سزا دینا اور سخت سزا دینا میری رائے میں درست نہ تھا۔

آؤٹ لک کا مطالبہ ہائی کورٹ کی خدمت تھی

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس مقدمہ کے متعلق غیر معمولی واقعات موجود تھے۔ دفعہ ۱۵۳۔الف ہر صوبہ کی گورنمنٹ کے نزدیک ایک خاص مفہوم رکھتا تھا اور پبلک اس مفہوم سے متفق تھی۔ غالباً مختلف صوبوں میں مختلف گورنمنٹیں اس دفعہ کے ماتحت اگر مقدمات چلا نہ چکی تھیں تو لوگوں کو اس امر کی دھمکی ضرور دے چکی تھیں اور لوگ بھی اس کا یہی مفہوم سمجھ کر معافیاں مانگ مانگ کر اپنی جان بچا رہے تھے۔ اگر ایک ہی وقت

میں قانون کی وضع کرنے والی جماعت اور جن کے لئے وہ قانون بنا تھا سب کے سب اس قانون کے ایک معنوں پر متفق تھے بلکہ جیسا کہ ایک بعد کے فیصلہ سے معلوم ہوا ہے ایک ہمسایہ صوبہ کی عدالت عالیہ بھی اس قانون کا وہی مفہوم لیتی تھی تو کیا اس صورت میں پبلک میں ہیجان پیدا ہونا ایک لازمی امر نہ تھا۔ کیا پبلک اس موقع پر یہ نتیجہ نہیں نکالے گی کہ غیر معمولی حالات میں ایک غیر معمولی فیصلہ ہوا ہے۔ اور کیا خود ہائی کورٹ کی عزت کے قیام کے لئے اس امر پر روشنی ڈالنا ہائی کورٹ کے لئے ضروری نہ تھا۔ اگر بغیر اس کے کہ کنور صاحب پر بددیانتی کا الزام لگایا جائے پبلک کے لئے یہ فیصلہ استعجاب و حیرت کا موجب تھا تو پھر مسلم آؤٹ لُک کا مطالبہ عدالت عالیہ کی ایک بہت بڑی خدمت تھی نہ کہ جُرم جس کی پاداش میں اسے سزا دی جائے۔

معاملہ کی حقیقی حیثیت

اگر معاملہ کسی معمولی قانون کی تشریح کا ہوتا تو اور بات تھی۔ مگر یہاں تو معاملہ یہ تھا کہ ایک قانون کے ایک معنے سالہا سال سے ثابت شدہ سمجھے گئے تھے گورنمنٹ کی نظر میں بھی اور پبلک کی نگاہ میں بھی اور کنور صاحب نے ان مسلّمہ معنوں کو غلط قرار دیا تھا۔ پس ایسے وقت میں اگر مسلم آؤٹ لُک نے اپنی آواز اُٹھائی خصوصاً اس حال میں کہ اس فیصلہ سے مسلمانوں کے دل مجروح ہو رہے تھے تو اگر فاضل ججان کے نزدیک وہ آواز بے موقع بھی تھی تو زیادہ سے زیادہ اسے نامناسب قرار دینا چاہئے تھا نہ یہ کہ وہ اس قدر سخت سزا دیتے۔ پھر ہائی کورٹ کو دیکھنا چاہئے کہ کیا اس سزا سے ہائی کورٹ کی وہ عزت قائم ہو گئی جسے وہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس سزا کے بعد تو مسلمانوں کے دل اور بھی غم و غصہ سے بھر گئے ہیں۔ اور وہ پہلے تو صرف ایک جج کے فیصلہ کی نوعیت پر معترض تھے اب عدالت عالیہ کے بہت سے ججوں کے متفقہ فیصلہ کے وہ اپنے مفاد اور منشائے قانون کے سخت خلاف سمجھ رہے ہیں۔ پس بجائے فائدہ کے اس فیصلہ سے نقصان پہنچا ہے۔ اور خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔

کنور صاحب کا فیصلہ اور مسلمانوں کا جوش

میں کنور صاحب کے فیصلہ کے متعلق صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے نزدیک فاضل ججوں نے اس امر کو نہیں سمجھا کہ کنور صاحب کے فیصلہ کے خلاف مسلمانوں کے دلوں میں جوش کیوں ہے۔ اگر وہ ایک مسلمان کی حیثیت میں اپنے آپ کو فرض کرتے جس طرح کہ مسٹر جسٹس دلال نے اپنے آپ کو فرض کیا تھا تو یقیناً وہ صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتے۔

گو اس وقت تک مسلمان اس کو واضح الفاظ میں بیان نہ کر سکتے ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس فیصلہ میں ہر ایک مسلمان اپنی ہتک محسوس کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں خیال کرتا کہ اس فیصلہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کی گئی ہے کیونکہ کنور صاحب نے صاف لکھا ہے کہ آپ کی نسبت ہتک آمیز الفاظ لکھنے والے کو سزا ملنی چاہئے۔ (گو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس فیصلہ سے آپ کی ہتک کا دروازہ کُھل گیا ہے) مگر وہ یہ ضرور خیال کرتا ہے کہ اس فیصلہ کا یہ مطلب ہے کہ ایک مسلمان کو یہ تو حق ہے کہ اگر اسے کوئی شخص گالی دے تو اس پر وہ ناراض ہو لیکن اسے اس شخص سے نفرت کرنے کا حق نہیں ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے۔ اگر اس موقع پر منافرت پیدا ہوتی ہے تو یہ اس کی اشتعال انگیز طبیعت کا نتیجہ ہے۔ اس کے فطرتی تقاضوں کا نتیجہ نہیں ہے۔

مسلمان اور حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اب ایک مسلمان کے نزدیک یہ خیال کہ اس کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر خود اُسے گالی دی جائے تو اُسے غصہ آجانا چاہئے لیکن اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی جائے تو اس کے دل میں جائز طور پر منافرت کے جذبات نہیں پیدا ہونے چاہئیں اس کی سب سے بڑی ہتک ہے۔ وہ اسے بے غیرتی کا اور سب سے بڑی بے غیرتی کا الزام سمجھتا ہے اور ایک منٹ کے لئے بھی اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ حق یہ ہے کہ ہر سچا مسلمان اپنی ذات کے متعلق سخت کلامی کو اکثر اوقات معافی کے قابل سمجھتا ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فِدَاہُ نَفْسِیْ وَ رُوْحِیْ کے متعلق ایک ادنیٰ کلمہ گستاخی کا سن کر بھی وہ برداشت نہیں کر سکتا اور اگر اسے یہ معلوم ہو کہ ایسا کلمہ استعمال کرنے والا اپنی قوم کی تائید اپنے ساتھ شامل رکھتا ہے تو وہ اس قوم کو بھی نہایت ہی حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے۔ پس جب ایک مسلمان یہ سنتا ہے کہ ایک فاضل جج قانون منافرت بین الاقوام کے معنے صرف یہ لیتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف بہ حیثیت قوم کچھ نہ کیا جائے اور یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کچھ کہنا باعث منافرت نہیں کہلا سکتا تو وہ اس میں اپنی ہتک سمجھتا ہے اور اپنے ایمان پر حملہ خیال کرتا ہے اور جج کی نیت اچھے ہونے یا بُرے ہونے کا اس میں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر فاضل جج ہائی کورٹ مسلمانوں کے اس احساس کو مدنظر رکھتے تو انہیں مسلم آؤٹ لک کے مضمون کی حقیقت کو سمجھنا آسان ہو جاتا۔ مگر افسوس ہے کہ انہوں نے مضمون کے مختلف پہلوؤں پر غور نہیں کیا اور یہی سمجھ لیا کہ اس میں ایک جج پر بدنیتی کا الزام لگایا گیا ہے اور ایک ایسا فیصلہ کر دیا جس سے مسلمانوں

کے دل اور بھی مجروح ہو گئے ہیں اور ان کی طبائع میں اور بھی جوش پیدا ہو گیا ہے۔ اور اب مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی کریں جو ان کے نزدیک صرف اسلام کی عزت کی حفاظت کے لئے جیل خانہ گئے ہیں۔ اور ہر سچا مسلمان اس وقت تک صبر نہیں کرے گا جب تک کہ وہ اس بارہ میں اپنے فرض کو ادا نہ کرے۔

اب ہمیں کیا کرنا چاہئے

فیصلہ کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کرنے کے بعد میں اس سوال کو لیتا ہوں کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ اور پیشتر اس کے کہ میں اپنے خیالات کو بیان کروں میں ان تین امور پر جو اس وقت تک بطور علاج کے بیان کئے گئے بحث کرنی چاہتا ہوں۔

عدالتوں سے مقاطعہ

ایک علاج بعض لوگوں نے یہ تجویز کیا ہے کہ ہم عدالت عالیہ سے مقاطعہ کریں۔ میرے نزدیک علاج وہ ہوتا ہے جس کا ہمیں فائدہ پہنچے۔ لیکن اگر اس علاج پر غور کیا جائے تو بجائے فائدہ کے ہمیں اس سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہم اس امر کے متعلق تو خود فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں جو ہماری ذات سے تعلق رکھتا ہو لیکن جو امر دوسروں کی ذات سے تعلق رکھتا ہو۔ اس پر ہماری نیتوں کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کو تین قسم کے مقدمات پیش آ سکتے ہیں۔ ایک وہ مقدمات جو باہم مسلمانوں میں ہوں۔ خواہ مالی حقوق کے متعلق ہوں یا فوجداری ہوں۔ مگر قابل دست اندازی پولیس نہ ہوں۔ ایسے مقدمات تو قطع نظر اس فیصلہ کے مسلمانوں میں آپس میں ہی طے ہونے چاہئیں۔ اگر ہم اپنے جھگڑے خود فیصلہ کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے تو ہم درحقیقت اس نظام اسلامی سے بے بہرہ ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں قائم فرمایا تھا۔ ہماری جماعت بڑی سختی سے اس امر کا لحاظ رکھتی ہے کہ تمام مالی مقدمات اور تمام فوجداری اختلافات جن کو برطانوی عدالت میں لے جانے کے ہم قانوناً پابند نہیں اپنی جماعت کے قاضی ہی طے کریں۔ اس قسم کے ایک واقعہ کے متعلق پچھلے دنوں اخبارات میں ایک مضمون بطور اعتراض شائع ہوا تھا۔ مگر میرے نزدیک یہ امر قابل اعتراض نہیں بلکہ قومی اتحاد کے لئے ضروری ہے اور قومی دولت اس سے محفوظ رہ جاتی ہے۔

دوسری قسم کے مقدمات وہ ہو سکتے ہیں جو گو دو مسلمان فریق میں ہوں لیکن قابل دست اندازی پولیس ہوں اور قابل راضی نامہ ہوں۔ اور تیسری قسم کے مقدمات وہ ہیں جو مسلمانوں اور

غیر قوموں میں ہوں۔ ان دونوں قسم کے مقدمات میں ہی عدالت کا مقاطعہ مقاطعہ کہلا سکتا ہے۔ لیکن کیا ایسا مقاطعہ ہم سے ممکن ہے؟ ایک وقت میں ایسے سینکڑوں کیس عدالت میں داخل ہوتے ہیں جن کا ہزاروں مسلمانوں پر اثر پڑتا ہے۔ پس کیا یہ بات اسلام کے فائدہ کی ہو گی کہ ہزاروں غریب مسلمان اس مقاطعہ کی وجہ سے جیل خانہ میں جائیں اور ہزاروں مسکینوں، غریبوں، بیواؤں، یتیموں کے حقوق عدمِ پیروی کی وجہ سے تلف ہو کر غیر قوموں کو مل جائیں۔ اس طریق کا نتیجہ صرف یہ ہو گا کہ مسلمان جو آگے ہی اقتصادی طور پر تباہ ہو رہے ہیں بالکل تباہ ہو جائیں گے۔ پس ہمیں اس تدبیر کو ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہئے جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی حفاظت کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

تکرارِ فعل

دوسرا طریق یہ بتایا جاتا ہے کہ مسلمان اس فعل کو متواتر کریں جو مسلم آؤٹ لک والوں نے کیا ہے۔ میرے نزدیک یہ طریق بھی علاوہ قانون شکنی کے (پہلے یہ فعل قانون شکنی نہ تھا، لیکن اب ہائی کورٹ کے فیصلہ کے بعد یہ فعل قانون شکنی ہو گیا ہے) اپنی ذات میں بے فائدہ ہے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہائی کورٹ اس امر کا پابند نہیں کہ اس شخص پر مقدمہ چلائے جو اس کی نظر میں عدالت کی ہتک کرنے والا ہے۔ اگر وہ اس کا پابند ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ لاکھوں مسلمان مسلم آؤٹ لک کی نقل کریں۔ ہائی کورٹ کہاں تک لوگوں کو جیل خانہ میں ڈالے گا۔ آخر تنگ آ جائے گا۔ لیکن جب کہ وہ ہر ایک پر مقدمہ چلانے کا پابند نہیں تو وہ صرف یہ طریق اختیار کرے گا کہ بڑے بڑے لوگوں کو پکڑے گا دوسروں کے فعل کو نظر انداز کر دے گا۔ اس سے صرف مسلمان کمزور ہو جائیں گے اور کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ مثلاً مسلمانوں کے لاہور میں چار روزانہ اخبارات ہیں اگر روزانہ ان میں مسلم آؤٹ لک کے نوٹ کے ہم معنی نوٹ شائع ہوں تو ہر روز چار آدمیوں پر ہائیکورٹ مقدمہ چلائے گا ان چار آدمیوں کو یا آٹھ آدمیوں کو روزانہ گرفتار کر کے بھی ہائی کورٹ کو کیا نقصان پہنچے گا۔ اور پھر اس طریق سے اسلام کو کیا فائدہ ہو گا۔ اگر چھوٹے چھوٹے آدمیوں کو اس امر کے لئے آگے بھیجا گیا تو یہ قابل شرم ہو گا اور انتہائی درجہ کی قومی غداری ہو گی۔ اور اگر بڑے بڑے سب لوگ اس طرح جیل خانوں میں چلے گئے تو اسلام کو نقصان پہنچانے والے اور بھی خوش ہوں گے۔ انہیں ہندوستان میں اسلام کو نقصان پہنچانے اور اپنی من مانی کارروائیاں کرنے کا اور بھی موقع مل جائے گا۔ پس یہ تدبیر بھی قابل عمل نہیں ہے۔ سکھوں کی کوششوں پر قیاس نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وہاں عملی جدوجہد تھی۔ وہ ایک گوردوارہ میں زبردستی

گھس جاتے تھے۔ اگر سرکار سب کو نہ پکڑتی تو گوردوارہ ہاتھ سے جاتا تھا۔ اگر پکڑتی تو جیل خانے کفایت نہ کرتے تھے۔ لیکن یہاں تو صرف بعض الفاظ کے دُہرانے کا سوال ہے۔ بغیر کسی قسم کے نقصان کے خطرہ کے ہائی کورٹ ہزاروں آدمیوں کے فعل کو نظرانداز کر سکتا ہے۔

سِول نافرمانی

تیسری تدبیر سِول نافرمانی بتائی جاتی ہے۔ علاوہ اس کے کہ میں اس تدبیر کا مذہباً مخالف ہوں عقلاً بھی میرے نزدیک اس تدبیر کو اختیار کرنا درست نہیں۔ سِول نافرمانی ہائی کورٹ کے خلاف نہ ہوگی بلکہ گورنمنٹ کے خلاف ہوگی اور گورنمنٹ کا اس معاملہ میں کوئی قصور نہیں ہے۔ گورنمنٹ اس وقت اس معاملہ میں ہمارے ساتھ ہے۔ گورنر صوبہ بڑے زوردار الفاظ میں ہائی کورٹ کے فیصلہ پر استعجاب ظاہر کر چکے ہیں اور اس کو منسوخ کرانے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرنے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ وہ بے شک بوجہ غیر مذہب کے پیرو ہونے کے اور قانون کی اُلجھنوں کے اس طرح جلدی سے عمل نہیں کر سکتے جس طرح کہ ہمارے دل چاہتے ہیں۔ لیکن وہ ظاہر کر چکے ہیں کہ ان کا مقصد اور ہمارا مقصد اس قانون کے بارہ میں ایک ہی ہے۔ پس سول نافرمانی کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم گورنمنٹ کو جو اس معاملہ میں ہم سے اتفاق رکھتی ہے اپنا مخالف بنالیں۔ لیکن سول نافرمانی چونکہ گورنمنٹ کے خلاف ہوگی وہ اس چیلنج کو قبول کئے بغیر نہیں رہ سکے گی اور اس طرح ہم اپنے ہاتھوں سے ہندوؤں کے تیار کردہ گڑھے میں گر جائیں گے جس میں ہمیں گرانا ان کی عین خواہش ہے۔

ہمیں ایک لحہ کے لئے بھی اس امر کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ ہمارا جھگڑا اس وقت ہندوؤں سے ہے اور ان میں بھی درحقیقت آریہ سماجیوں سے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہندوستان میں کامل آزادی نہیں حاصل کر سکتے جب تک کہ مسلمان اس ملک میں باقی ہیں۔ وہ ہندوستان میں برہمنک قانون کو جاری کرنا چاہتے ہیں جو برطانوی اور اسلامی قانون آزادی کے بالکل برخلاف ہے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ اس اختلاف کی وجہ سے جب بھی ہندو اپنے مقصد کو پورا کرنا چاہیں گے، انگریز اور مسلمان ملکر ان کے راستہ میں روک بنیں گے وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان دو طاقتوں کے مقابلہ میں وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ پس وہ پہلے مسلمانوں کو کمزور کر کے نکما کرنا چاہتے ہیں اس کے بعد وہ انگریزوں سے نپٹیں گے۔ مگر اس تحریک کے بانی ہوشیار بھی بہت ہیں۔ وہ مسلمانوں اور انگریزوں کو لڑوانا چاہتے ہیں اور بسا اوقات انگریز ان کے فریب میں آکر مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھنے لگتے ہیں۔ اور بعض اوقات مسلمان کی بات پر مشتعل ہو کر انگریزوں کو اپنا مخالف خیال کرنے لگتے ہیں۔ مگر

ہمیں اس دھوکے میں نہیں آنا چاہئے۔ میرے نزدیک انگریزوں اور مسلمانوں کے اکثر اختلافات کا اب فیصلہ ہو چکا ہے۔ آئندہ تمدنی جنگ میں یہ دونوں مل کر اپنے اپنے حقوق کی حفاظت اچھی طرح کر سکتے ہیں۔ انگلستان کی نجات مسلمانوں سے صلح رکھنے میں ہے اور مسلمانوں کا فائدہ انگریزوں سے تعاون کرنے میں۔ ہم سب دنیا سے نہیں لڑ سکتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مشرکوں کے مقابلہ میں اہل کتاب سے معاہدہ کیا تھا۔[1] پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم تدابیر اختیار نہ کریں اور اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ باوجود بیسیوں قسم کے عیوب کے انگریزی قوم تمام موجودہ غیر اسلامی اقوام سے ہمارے زیادہ قریب ہے۔ اور درحقیقت دوسری قوم صرف روسیوں کی ہے جو اسلام کو سختی سے مٹا رہی ہے جیسا کہ احمدی مبلغوں اور دوسرے بہت سے ایسے مسلمانوں کی عینی شہادت سے ثابت ہے جو پہلے برطانوی حکومت کے سخت دشمن تھے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جو لوگ سیاسی طور پر میرے اس خیال سے متفق نہ ہوں ان کو بھی ضرور یاد رکھنا چاہئے کہ اس موجودہ مسئلہ میں ہمیں برطانیہ کے قائم مقاموں سے کوئی جنگ نہیں ہے۔

میری سکیم

جس قدر پیش کردہ تجاویز ہیں ان کے نقائص بیان کرنے کے بعد میں اپنی تجاویز کو پیش کرتا ہوں۔ میرے نزدیک ہمیں قدم اُٹھانے سے پہلے یہ غور کر لینا چاہئے کہ ہمارا مقصد اس وقت کیا ہے۔ میرے نزدیک ہمارا مقصد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی حفاظت ہے۔ مسلم آؤٹ لک کا معاملہ اس مقصد کے حصول کی جدوجہد کا ایک ظہور ہے۔ پس ہمیں بجائے اس پر اپنا زیادہ وقت خرچ کرنے کے اس سے جس قدر ممکن ہو فائدہ اُٹھانا چاہئے۔ مسلم آؤٹ لک کے فیصلہ نے مسلمانوں کی آنکھیں ان کی بے بسی کے متعلق کھولدی ہیں۔ لوہا گرم ہے۔ اس کو اس طرح کوٹنا ہمارا کام ہے کہ اس سے اسلام کے لئے کار آمد اشیاء تیار ہو سکیں۔ ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ اس کام کو جاری ہی نہ رکھیں بلکہ ترقی دیں جو مسلم آؤٹ لک کرتا تھا۔ اور اس کے لئے میں اپنی جماعت کی طرف سے آٹھ سو روپیہ کی امداد کا اعلان کرتا ہوں۔ میرے نزدیک کم سے کم پانچ ہزار روپیہ اس کام کے لئے جمع کر دینا چاہئے اور یہ روپیہ مسلم آؤٹ لک کی ترقی پر خرچ ہونا چاہئے اور مسلم آؤٹ لک کے خریداروں کے بڑھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ہندوؤں کو یہ جرأت کیوں ہوئی؟

اس کے بعد اصل معاملہ کے متعلق یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دوسرے بزرگان اسلام کو عموماً

اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصاً گالیاں دینے کی جرأت ہندوؤں کو صرف ان کے اقتصادی اور تمدنی غلبہ کی وجہ سے ہے۔ وہ اس غلبہ کے بعد ہماری غیرت کو مٹا کر ہمیں شُودر بنانا چاہتے ہیں۔ مَیں ان پر اعتراض نہیں کرتا۔ ہر ایک قوم کا حق ہے کہ اپنے مفاد کے لئے ہر ممکن جدوجہد کرے لیکن ساتھ ہی ہر اس قوم کا بھی جس کے مفاد کے خلاف اس کے کاموں کا اثر پڑتا ہو حق ہے کہ اپنے حقوق کی حفاظت کرے۔ اگر ہندوؤں کا حق ہے کہ وہ اپنی دولت کو بڑھانے کے لئے مسلمانوں سے چُھوت چھات کریں اور اپنی قوم کی ہر ممکن ذریعہ سے پرورش کریں تو کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ حق حاصل نہ ہو۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ ہندو خود چُھوت چھات کرتے ہیں اور سنگھٹن کی تائید میں لیکچر دیتے پھرتے ہیں۔ لیکن جس وقت مسلمان وہی کام کرتے ہیں تو شور مچا دیتے ہیں کہ دیکھو یہ ملک کے امن کو بگاڑتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک ہر کوشش جو مسلمانوں کو ہندوؤں کی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے کی جائے وہ ملک کے امن کے خلاف ہے۔ مگر ہم نے اس امن کو کیا کرنا ہے جس سے ہماری ہستی ہی مٹ جائے۔ اور پھر اس فساد کے ذمہ دار ہندو لوگ ہوں گے جو مسلمانوں کی بیداری کی وجہ سے پیدا ہو نہ کہ مسلمان۔ وہ شخص جو اپنے حقوق کی حفاظت کرتا ہے وہ کس طرح مفسد کہلا سکتا ہے۔ مفسد وہ ہوگا جو اسے اس کے جائز حق کے لینے سے روکتا ہے۔ اصل میں یہ شور ہی بتاتا ہے کہ ہندو قوم اس تدبیر سے سب سے زیادہ گھبراتی ہے۔ پس اس تدبیر پر ہمیں سب سے زیادہ زور دینا چاہئے۔ اور اس زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے سب سے پہلی جدوجہد ہماری یہی ہونی چاہئے کہ ہم ہندوؤں سے چُھوت چھات کریں۔

مسلمانوں کا روپیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خرچ کیا جارہا ہے

مَیں تمام ان مسلمانوں سے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں رکھتے ہیں پوچھتا ہوں کہ کبھی اُنہوں نے یہ بھی خیال کیا ہے کہ رنگیلا رسول و چتر جیون اور ورتمان وغیرہ قسم کی کُتب اور رسالے انہی کے روپیہ سے چھاپے جاتے ہیں اور انہی کے روپیہ سے ان کتب کے لکھنے والوں کی مدافعت کی جاتی ہے۔ اگر ان میں واقعہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیرت ہے تو وہ کیوں وہ ہتھیار ہندوؤں کو مہیا کر کے دیتے ہیں جن سے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر حملہ کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی تمدنی بربادی ہی ان سب خرابیوں کی ذمہ دار ہے اور اس کا

دُور کرنا ان کا سب سے پہلا فرض ہے۔ اپنے روپیہ کو محفوظ کر کے وہ دیکھیں تو سہی کہ کس طرح مخالفین اسلام کی طاقت آپ ہی آپ ٹوٹ جاتی ہے اور خود ان میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ جو لوگ آج مسلم آؤٹ لک کے بہادر ایڈیٹر اور جری مالک کے پیچھے جیل خانہ جانے کے لئے تیار ہیں میں ان سے کہتا ہوں آپ کا کام جیل خانہ کے باہر ہے۔ ان چیزوں میں ہندوؤں سے چھُوت چھات کرو جن میں ہندو، چھُوت کرتے ہیں اور دوسری چیزوں میں مسلمانوں کی مدد کرو تو یہ بہترین تدبیر ہو گی جس سے آپ ان جیل میں جانے والوں کی مدد کر سکیں گے اور ان کے کام کو کامیاب بنا سکیں گے۔ چاہئے کہ اس وقت سب جگہ کے مسلمان اس امر پر اتفاق کر لیں کہ جلد سے جلد ہر قسم کی دکانیں مسلمانوں کی نکل آئیں اور جہاں تک ہو سکے مسلمان ان ہی سے سودے خریدیں۔ بائیکاٹ کے طور پر نہیں بلکہ صرف ہندوؤں کی تدابیر کے جواب کے طور پر اور اپنی قوم کو اُبھارنے کے لئے۔

اے بھائیو! یاد رکھو کہ صرف جلسوں میں ریزولیوشن پاس کرنے سے کچھ نہ بنے گا کیونکہ ان کا کوئی مادی اثر نہیں۔ جیل خانوں میں جانے سے کچھ نہیں بنے گا کیونکہ اس میں خود ہمارا اپنا نقصان ہے۔ عقلمند وہ کام کرتا ہے جس سے اس کا فائدہ ہو۔ اور اس وقت اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ اس میں ہے کہ مسلمانوں کی تمدنی حالت کو درست کیا جائے۔ ان کی اپنی دکانیں کھولی جائیں۔ آڑھت بالکل ہندوؤں کے قبضہ میں ہے اور اس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔

مسلمانوں کی آڑھت

ہمیں مسلمانوں کی آڑھت کی دکانیں کھلوانے کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔ جب تک آڑھت کی دکانیں نہیں کھلیں گی کبھی مسلمان زمیندار اور دُکاندار نہیں پنپ سکتے۔ اندھیر ہے کہ جو روپیہ اس وقت ہندو تبلیغ پر خرچ ہو رہا ہے اس کا کافی حصہ مسلمانوں کے گھروں سے خاص اس غرض سے جاتا ہے۔ عام طور پر ہندو آڑھتی ہر مسلمان زمیندار سے ہر سودے کے وقت ایک مقررہ رقم لیتا ہے کہ اتنی گؤشالہ کے لئے ہے، اس قدر دھرم ارتھ کے لئے، اتنی یتیموں کے لئے۔ اور اس سے مراد مسلمان یتیم خانے اور مسلمانوں کے کام نہیں ہوتے بلکہ خاص ہندوؤں کے کام ہوتے ہیں۔ اب غور کرو کہ پنجاب میں کس قدر رقم مسلمان خالص ہندو کاموں کے لئے دیتے ہیں۔ پس جب تک مسلمان ان رقوم کو بند نہ کریں گے اور اپنی رقوم کو اسلام کی ترقی کے لئے خرچ نہیں کریں گے وہ پروپیگنڈا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے خلاف ہو رہا ہے کبھی بند نہ ہو گا۔ لوگ کہتے ہیں مٹھائیاں و برف وغیرہ کہاں سے لیں۔ مَیں کہتا ہوں۔ اے بھائیو! تمہارے بھائی اسلام کی عزت کے لئے برفوں

سے نہیں اپنے بیوی بچوں کی صحبتوں سے بھی محروم ہو گئے ہیں کیا تم برف اور مٹھائی ترک نہیں کر سکتے۔ اور کیا مسلمان کا دماغ اور سب کام کر سکتا ہے مگر یہ کام نہیں کر سکتے۔

تبلیغ اسلام

دوسرا کام جو حقیقی کام ہے لیکن ابتداءً اس کا اثر ہندوؤں پر ایسا نہ ہو گا جیسا کہ پہلے کام کا، وہ تبلیغ اسلام ہے۔ ہندوؤں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے خلاف حملہ کرنے کی جرأت صرف اس خیال سے ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہندوستان میں خالص ہندو مذہب قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر ہم تبلیغ کے کام کو خاص زور سے اختیار کریں تو اسلام میں ایسی طاقت ہے کہ کوئی مذہب اس کے مقابلہ میں ٹھہر ہی نہیں سکتا۔ پس یقیناً اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بہت جلد بہت سی ہندو اقوام جو برہمنک اصول مدارج سے تنگ آ چکی ہیں اسلام میں داخل ہونے لگیں گی اور ہندوؤں کو معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کو ہندو بنا لینے کا خیال بالکل وہم ہے اور خود بخود ان کا جوش ٹھنڈا ہو جائے گا۔

سیاسی حقوق کا فیصلہ

تیسری تدبیر یہ ہے کہ مسلمان اپنے سیاسی حقوق کا استقلال سے مطالبہ کریں۔ میں حیران ہوں کہ مسلمان کس طرح اس امر پر راضی ہو گئے کہ پچپن فی صدی آبادی کے باوجود چالیس فی صدی حقوق انہوں نے طلب کئے لیکن ملے اب تک وہ بھی نہیں۔ مسلمانوں کی یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی کہ وہ ملازمتوں کو حقیر چیز خیال کرتے تھے۔ ملازمت اگر ایسی ہی حقیر ہوتی تو ہندو جو ایک بیدار قوم ہے کیوں اس طرح اس کی خاطر اپنی تمام تر طاقت خرچ کر دیتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ملازمت اپنی ذات میں بڑی شئے نہیں لیکن اس کا واسطہ تمدنی ترقی سے اس قدر ہے کہ اس میں کمی یا زیادتی قوم کو تباہ کر سکتی یا بنا سکتی ہے۔ ملازمت کے سوا قومی گزارہ کا ذریعہ یا زراعت ہے یا ٹھیکہ داری یا صنعت و حرفت۔ مگر کیا زراعت کی کامیابی نہروں، تحصیل کے عملہ اور جوڈیشری پر موقوف نہیں۔ ٹھیکہ داری پبلک ورکس ریلوے اور نہروں سے متعلق نہیں۔ اور تجارت اور صنعت و حرفت گورنمنٹ سپلائی کے ساتھ وابستہ نہیں۔ جن لوگوں کے پاس ملازمتیں ہوں گی وہی ان کاموں میں ترقی کریں گے اور کر رہے ہیں۔ جس قدر بڑے بڑے مالدار ہندو اس وقت ہیں ان میں سے اکثر کو دیکھ لو کہ ان کی ترقی کا پہلا زینہ سرکاری ٹھیکہ داری پاؤ گے اور اس کا باعث ہندو افسر ہو گا۔

پس مسلمانوں کو یہ فیصلہ کر لینا چاہئے کہ اپنی تعداد کے مطابق یا کم سے کم پچاس فی صدی تک اپنے حقوق کو حاصل کرنے کی متواتر کوشش کریں۔ اور اس وقت تک بس نہ کریں جب تک کہ یہ

حق ان کو مل نہ جائے۔ میں نے سنا ہے کہ ملازمتیں تو الگ رہیں تعلیم میں بھی مسلمانوں کی ترقی کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں اور یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ پیشہ سکھانے والے کالجوں میں مسلمان کُل چالیس فی صدی داخل کئے جائیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ مسلمان کبھی اپنے حق کو حاصل ہی نہ کر سکیں۔ کیونکہ جو لوگ چالیس فیصدی کالجوں میں داخل کئے جائیں گے وہ پچپن فی صدی یا پچاس فی صدی حق پانے کے قابل کبھی ہو ہی نہیں سکتے۔ پس چاہئے کہ مسلمان ایک ایک کر کے ہر ایک صیغہ کے متعلق نہ ختم ہونے والی جدوجہد کریں اور اس وقت تک بس نہ کریں جب تک ان کے حقوق انہیں مل نہ جائیں۔ اگر انہیں اپنے اوپر رحم نہیں آتا تو کم سے کم اپنی آئندہ نسلوں پر رحم کریں اور انہیں دائمی غلامی میں نہ چھوڑیں۔

اتحاد عمل اور اس کا طریق

یہ تینوں تجویزیں اس وقت مسلمانوں کے آزاد ہونے کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ لیکن ان پر کبھی کامیابی سے عمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمام مسلمان کہلانے والے لوگ اکٹھے نہ ہو جائیں۔ مسلمانوں کی ناکامی ان کے تفرقہ کا نتیجہ ہے۔ وہ مخالفین اسلام کے دھوکے میں آکر آپس میں ایک دوسرے کی گردن کاٹتے رہتے ہیں اور دشمن ہنستا ہے کہ میں خود انہی کے ہاتھوں ان کو تباہ کرا دوں گا۔ آؤ آج سے فیصلہ کر لو کہ خواہ کس قدر ہی اختلاف مذہبی یا سیاسی ہو غیر قوموں کے مقابلہ میں ہم ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ ہمارے مذہبی، سیاسی، تمدنی، اقتصادی اختلاف ہمیں آپس میں مل کر کام کرنے سے نہیں روکیں گے۔ ہم اپنے مذہب پر قائم رہیں اور محبت سے اس کی تلقین کریں۔ اپنا کوئی اصل نہ ترک کریں نہ کسی سے ترک کرائیں۔ لیکن ہم باوجود ہزاروں اختلافات کے اس امر کو نہ بھولیں کہ ایک نقطہ ہے جس پر ہم سب جمع ہو جاتے ہیں۔ اور ایک مقام ہے جہاں آکر ہم سب بسیرا کر لیتے ہیں۔ وہ نقطہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ اور وہ مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایۂ مبارک ہے۔ پس مخالفین اسلام کے مقابلہ کے لئے ہم سب کو جمع ہو جانا چاہئے تاکہ ہمارا اختلاف ہماری تباہی کا موجب نہ ہو۔ یہ اتحاد ایسا ہو کہ ہم اس میں سے کسی کو باہر نہ رہنے دیں۔ خلافتی یا خوشامدی، لیگ کا ماننے والا یا کانگرسی، عدم تعاونی یا ملازم سرکار کسی کو بھی ہم اپنے سے دُور نہ کریں کیونکہ اس عظیم الشان جدوجہد میں ہمیں ہر ایک میدان کے سپاہی کی ضرورت ہے۔ خلافتی کی بھی ہمیں اسی طرح ضرورت ہے جس طرح خوشامدی کی۔ ابھی سے ہر ایک اپنا اپنا کام کر سکتا ہے۔ اس لئے چاہئے کہ مفید تجویز کسی کی طرف سے پیش ہو خواہ وہ ہمارا کس قدر ہی دشمن ہو

ہم سب ملکر اس کی تائید کریں اور ایک زبان ہو کر سارے ہندوستان میں اس کی دھوم مچا دیں۔ اور جن لوگوں سے ہمیں اختلاف بھی ہو گو ان کے خیالات کی ہم تردید کریں لیکن استہزاء سے کام نہ لیں اور تذلیل نہ کریں تا کوئی شخص بھی ہمارا ہاتھ سے جاتا نہ رہے۔

اخبارات کو مضبوط کرنے کی ضرورت

مَیں نے ان اغراض کو پورا کرنے کے لئے چھ اضلاع میں مبلّغ مقرر کئے ہیں اور باقی ضلعوں میں مقامی انجمنوں کے ذریعہ سے کام کروا رہا ہوں۔ ان لوگوں سے علاوہ چھوت چھات کی تحریک کرنے، تمدنی آزادی کی ترغیب دینے اور مل کر کام کرنے کی تحریص دلانے کے یہ بھی کام لیا جائے گا کہ تمام مسلم اخبارات کی اشاعت کی تحریک بھی وہ ہر جگہ کریں کیونکہ پریس کی مضبوطی قوم کی آواز کے بلند کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اس وقت تک مسلمانوں کی ترقی مشکل ہے جب تک کہ مسلمانوں کا پریس نہایت مضبوط نہ ہو۔ اور اسی طرح یہ تحریک بھی کرائی جائے گی کہ مسلمان، زمیندار اور تاجر اپنا کام مسلمان وکلاء کو دیا کریں تا کہ مسلمان وکلاء آزاد ہو کر کام کر سکیں۔ یہ پیشہ آزاد ہے مگر بوجہ کام کی کمی کے مسلمان وکلاء اس طرح کام نہیں کر سکتے جس طرح کہ ہندو وکلاء کر سکتے ہیں۔

عام اعلان کی ضرورت

ان تمام تدابیر پر عمل کرنے کے لئے میرے نزدیک تمام اسلامی سوسائٹیوں، انجمنوں، اخباروں، رسالہ جات اور جماعتوں کی طرف سے سب سے پہلے یہ اعلان ہو جانا چاہئے کہ ہم اسلام کے عام فوائد کے معاملہ میں اپنے اختلافات سے قطع نظر کر کے آپس میں ملکر کام کیا کریں گے تا کہ عوام الناس میں بھی ادھر توجہ پیدا ہو جائے اور وہ سمجھ لیں کہ اب کام کرنے کا وقت آ گیا ہے اور یکدم سب مقامات پر عملی جدوجہد شروع ہو جائے۔

ایک اہم جلسہ کی تجویز

اس کا مناسب ذریعہ علاوہ اوپر کے اعلان کے جس کا میں اپنی طرف سے تو اس مضمون میں وعدہ شائع کر دیتا ہوں یہ بھی ہے کہ مسلم آؤٹ لک کے ایڈیٹر اور مالک کے قید ہونے کے مثلاً پورے ایک ماہ بعد یعنی ۲۲۔ جولائی کو جمعہ کے دن ہر مقام پر ایک جلسہ کیا جائے جس میں مسلمانوں کی اقتصادی اور تمدنی آزادی کے متعلق مسلمانوں کو آگاہ کیا جائے اور سب سے وعدہ لیا جائے کہ وہ اپنے حلقہ میں تبلیغ اسلام کا کام جاری کریں گے۔ اور ہندوؤں سے ان امور میں چھوت چھات کریں گے جن میں ہندو اُن سے

چھوت چھات کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ کہ وہ اپنی تمدنی اور اقتصادی زندگی کے لئے پوری سعی کریں گے، اپنے قومی حقوق کو قوانین حکومت کے ماتحت حاصل کرنے کی پوری کوشش کریں گے، اسلامی فوائد میں سب ملکر کام کریں گے اور اسی دن ہر مقام پر ایک مشترکہ انجمن بنائی جائے جو مشترکہ فوائد کے کام کو اپنے ہاتھ میں لے۔ اسی طرح اس دن تمام لوگ مل کر گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ ہائی کورٹ کی موجودہ صورت مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہے اور ان کی ہتک کا موجب۔ پچپن فی صدی آبادی والی قوم کے کُل دو جج ہیں اور ان میں سے ایک سروس سے لیا ہوا اور ایک صوبہ سے باہر سے لایا ہوا۔ اس میں مسلمان اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں۔ یہ سمجھنا کہ ہر شعبہ کے لئے مسلمان قابل سے قابل مل سکتے ہیں لیکن جج نہیں مل سکتا ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ گورنمنٹ نے جو کچھ کیا انصاف ہی سے کیا ہو گا مگر ہمارے نزدیک اس معاملہ میں مسلمانوں کے حقوق پر کافی غور نہیں کیا گیا اور اس کا ازالہ جلد سے جلد ضروری ہے اور اس کے لئے ہم باادب یہ درخواست کرتے ہیں کہ کم سے کم ایک مسلمان جج پنجاب کے بیرسٹروں میں سے اور مقرر کیا جائے اور اسے نہ صرف مستقل کیا جائے بلکہ دوسرے ججوں سے اس طرح سینئر کیا جائے کہ سر شادی لال صاحب کے بعد وہی چیف جج ہو۔

ایک محضر کی ضرورت

اسی طرح ایک جلسہ میں حاضرین سے دستخط لے کر ایک محضر نامہ تیار کیا جائے کہ ہمارے نزدیک مسلم آؤٹ لک کے ایڈیٹر اور مالک نے ہرگز عدالت عالیہ کی ہتک نہیں کی بلکہ جائز نکتہ چینی کی ہے جو موجودہ حالات میں ہمارے نزدیک طبعی تھی اس لئے ان کو آزاد کیا جائے اور جلد سے جلد کنور دلیپ سنگھ صاحب کے فیصلہ کو مسترد کرا کے مسلمانوں کی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ بے ادبی بھی برداشت نہیں کر سکتے دلجوئی کی جائے۔ کوشش یہ ہونی چاہئے کہ کم سے کم پانچ چھ لاکھ مرد و عورت کے دستخط یا انگوٹھے اس محضر نامہ پر ہوں تا کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ اس کے باہر بھی اس کا اثر ہو۔ اور اس کا ایک طبعی اثر مسلمانوں کے دماغوں پر ایسا پڑے کہ دوسرے امور میں جدوجہد بھی ان کے لئے آسان ہو جائے۔ یہ محضر نامہ ابھی سے تیار ہونا شروع ہو جانا چاہئے۔ اس سے لوگوں کو کام کرنے کا موقع بھی مل جائے گا اور لوگوں پر اثر بھی اچھا ہو گا۔

میرے نزدیک ایک ماہ بعد کی تاریخ رکھنی اس لئے مناسب ہے کہ تا اس عرصہ میں تمام ملک کو اس غرض کے لئے بیدار کیا جا سکے۔ جلسہ جمعہ کی نماز کے بعد آسان ہو گا۔ لیکن جس جگہ قانوناً

جلسہ کو روک دیا جائے اس جگہ نماز جمعہ کے خطبہ میں امام ان باتوں کو بیان کر سکتا ہے۔ اس طرح قانون کے مقابلہ کے بغیر کام ہو جائے گا۔

قوم کی قربانی ضروری ہے

میرے نزدیک فی الحال یہی تدابیر مناسب ہیں۔ گو بہت سے لوگ اس وقت بہت جوش رکھتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ کامیابی کے لئے ساری قوم کی قربانی ضروری ہوتی ہے۔ صرف چند آدمیوں کی قربانی زیادہ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ پس ہمیں سب مسلمانوں کو تیار کرنا چاہئے اور اس کے لئے بہت بڑی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ جب کام شروع کیا جائے گا تب معلوم ہو گا کہ کس قدر مشکلات راستہ میں آئیں گی۔ اور جن کو ناجائز فوائد کے حاصل کرنے سے روکا جائے گا کس کس طرح نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

مَیں آخر میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ یہ وہ تجاویز ہیں جو میرے ذہن میں آئی ہیں۔ باقی مسلمان بھائی خود بھی غور کر لیں اور جو تجاویز بھی مفید ہوں انہیں اختیار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن میرا یہ خیال ہے کہ اگر اس پروگرام کو اختیار کیا جائے تو اِنْشَآءَ اللّٰہُ مفید ہو گا اور ایک ایسی رو چل جائے گی کہ جس سے کام لے کر بہت سے مفاسد کی اصلاح ہو سکے گی ورنہ ہم تو اس کی طرف توجہ کر ہی رہے ہیں اور اِنْشَآءَ اللّٰہُ کریں گے۔ بائیس جولائی یا جس تاریخ پر بھی اتفاق ہو اس کے آنے تک ہمیں ہر ممکن ذریعہ سے اس تحریک کو عام کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تا کہ جو غرض اس تحریک سے ہے وہ پوری ہو سکے۔

مَیں مضمون ختم کرنے سے پہلے پھر تمام مسلمانوں کو یقین دلاتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی حفاظت کے لئے ہماری جماعت ہر جائز اور مطابق اسلام قربانی کرنے کے لئے تیار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور آپ لوگوں کو بھی توفیق عطا فرمائے۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

امام جماعت احمدیہ قادیان

۲۳ جون ۱۹۲۷ء

(الفضل یکم جولائی ۱۹۲۷ء)

---

[۱] سیرت ابن ہشام (عربی) جلد ۱ حصہ دوئم صفحہ ۶۴، ۶۵ مطبوعہ دار التوفیقیۃ ازھر